عباسی عہد میں مسلم شناخت اور مسلم عقائد پر جو بحثیں چلی ہیں اس کے زیر اثر ہمارے فقہاء مسلمان بنے رہنے کے لئے ان ظواہر کو بھی مسلم شناخت کا حصہ قرار دے بیٹھے تھے جن کا تعلق اسلام کے آفاقی پیغام سے کہیں زیادہ عرب ثقافت سے تھا۔ جب تک مسلم ریاست بغداد، اسپین، ترکی اور ہندوستان میں جس شکل میں بھی باقی رہی علماء نے کیتھولک چرچ کی طرح اس بات کا پورا التزام کیا کہ خدا کی کتاب کے وہی مطالب و معانی سمجھے اور سمجھائے جائیں جو انہوں نے سمجھا ہے۔ خدا کی کتاب پر انسانوں کے ایک مخصوص گروہ کو تشریح و تعبیر کا کامل اختیار مل جانے سے عملاً یہ ہوا کہ عام انسانوں کا وحی ربانی سے براہ راست تعلق باقی نہ رہا۔ رفعِ فتنہ کی خاطر علماء کا یہ قدم خود ایک بڑا فتنہ بن کر رہ گیا۔

اسلام کو نئے شارحین کی ضرورت

عمرانہ قضیہ پر دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ اور اس پر مسلم پرسنل لا بورڈ کی توثیق نے کم از کم اس بات کی وضاحت تو کر ہی دی ہے کہ ہماری دینی درسگاہیں صرف حالاتِ حاضرہ سے ہی بے خبر نہیں بلکہ قرآن فہمی سے بھی نابلد ہیں۔ قرآن مجید کی جس آیت پر اس فتویٰ کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ بڑی سیدھی، صاف اور تمام الجھاؤ سے مبرا ہے۔ ﴿لاتنکحوا مانکح آباء کم﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو۔ گویا کسی مرحلہ میں اگر کوئی عورت کسی کے باپ کی بیوی رہی ہے تو آگے چل کر خواہ طلاق کی صورت میں یا باپ کے مرنے کے بعد بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان عورتوں سے رشتۂ نکاح استوار کرنے کی سوچے۔ جو شخص بھی ذہنی تحفظات سے بالاتر ہو کر اس آیت کو پڑھے گا اس کے حاشیۂ خیال میں بھی فقہاء کی وہ قیل وقال نہیں آئے گی جس کے نتیجے میں آج عمرانہ کے مسئلہ پر مختلف اور متضاد آراء کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

موجودہ صورتِ حال نے اہل فکر مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اسلام کا مستقبل ان روایتی علماء اور ان دینی اداروں کے ہاتھوں محفوظ ہے یا نہیں؟ ہندوستانی مسلمان اپنے دین کے سلسلے میں ہمیشہ سے حساس اور محتاط واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس ملک میں دین وشریعت کے نام پر بڑی بڑی تحریکیں چلائیں اور قربانیاں دی ہیں۔ وہ اب تک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں لہٰذا اسے ہر بیرونی مداخلت سے محفوظ رکھنے کو انہوں نے دین کی حفاظت پر مبنی سمجھا ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان دینی اداروں کے ذریعے اسلام کی جو تشریح وتعبیر سامنے آ رہی ہے وہ سراسر عقل اور قرآن کے خلاف ہے۔ اگر اسلام کو انہی روایتی علماء کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تو خطرہ ہے کہ وہ فقہاء یہود کی طرح اسے ایک پیچیدہ فن میں تبدیل کر دیں گے اور عام انسانیت کے لئے اسلام میں کوئی کشش باقی نہیں رہ جائے گی۔

اسلام میں کسی ایسے طبقۂ علماء یا مذہبی گروہ کو جواز نہیں بخشا گیا ہے جسے دینی یا روحانی پیشوائی کے منصب پر فائز کیا گیا ہو۔ علماء کرام اس بات سے خوب واقف ہیں کہ ﴿فاسئلوا اھل الذکر﴾ کے حوالے سے انہوں نے اپنے آپ کو مذہبی پیشوائی کے جس منصب پر متمکن کیا ہوا ہے اس کا جواز قرآن کی مذکورہ آیت سے نہیں نکلتا۔ لیکن افسوس کہ وہ اس آیت کے اصل مفہوم سے

کتمان کرتے ہوئے اسے مسلسل اپنی دینی پیشوائی کے لئے استعمال کررہے ہیں۔جن علماء نے عمرانہ کو اپنے شوہر پر حرام ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے اور جس کے لئے انہوں نے فتاویٰ ہندیہ، ردالمختار اور بحرالرائق جیسی کتابوں سے دلیل لانے کی ضرورت محسوس کی ہے، کیا بہتر ہوتا ہے کہ حلال وحرام کے فیصلے کے لئے انسانوں کی لکھی کتابوں پر انحصار کرنے کے بجائے وہ خدا کی کتاب کی طرف رجوع کرتے اور آیت مذکور کو اس کے پورے سیاق وسباق میں پڑھتے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو فقہاءاحناف کی آراء کی غلطی ان پر واضح ہوجاتی۔ یہ تو رہی فقہی معلومات کی بات۔اگر ان حضرات نے معلومات کے علاوہ عقل ودماغ کا استعمال بھی کیا ہوتا تو یہ بات بآسانی ان کے سمجھ میں آتی کہ جو کتاب ہر شخص کو اس کے کئے کا برابر پھل دینا چاہتی ہے جہاں ﴿كل نفس بما كسبت رهينة﴾ اور﴿ولا تزر وازرة وزر اخرى﴾ جیسی آیات بار بار اس حقیقت کو ذہن نشین کراتی ہوں کہ ہر شخص صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہے وہاں یہ بات کیسے قابلِ قبول ہوسکتی ہے کہ باپ کے گناہ کی سزا بیٹے کو دی جائے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کی عائلی زندگی تباہ ہوجائے۔فقہاء کا یہ کہنا کہ اپنے خسر سے زنا کے بعد عورت اپنے شوہر کے لئے مثل ماں ہوگئی ہے دراصل وہ قانونی اور فقہی موشگافیاں ہیں جس کے لئے فقہاء یہود معروف ہیں۔لیکن افسوس کہ ہم نے فقہاء یہود کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اب علماء یہود کی طرح ہمارے علماء بھی وحی ربانی پر راست غور وفکر کے بجائے اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ کسی مسئلہ پر قدیم فقہاء نے کیا لکھا ہے۔ بھلا جو لوگ پکے حنفی ہوں ان کے لئے فقہاء احناف کی رائے سے انحراف کیسے ممکن ہے؟ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ قرآن کے نظامِ انصاف اور قرآنی آیت کے سیدھے سادھے مطلب سے صرف اس لئے صرفِ نظر کرلیں کہ علماء احناف نے اس کا مطلب کچھ اور سمجھا ہے۔

رہے معتدل علماء تو عام طور پر ان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جب فقہی موشگافیاں اور قدیم آراء ہماری راہ میں حائل ہوجاتی ہیں تو وہ اس سے نکلنے کے لئے شافعی، مالکی یا حنبلی فقہ کا سہارا لیتے ہیں۔خدا کی کتاب کا سہارا لینے کی جرأت سے وہ بھی خالی ہیں۔عمرانہ کے مسئلہ پر بعض معتدل علماء نے مسلکِ شافعی کے مطابق رائے دینے کی کوشش کی ہے اور باور کرایا ہے کہ کوئی حرام فعل کسی حلال کو فاسد نہیں کرسکتا۔لہذا خسر کے ذریعہ زنا کا شکار بننے والی عورت کا رشتہ اس کے شوہر سے برقرار رہے گا۔ بظاہر اس رائے میں عقل واعتدال کا استعمال معلوم ہوتا ہے البتہ یہ رویہ بھی قرآن مجید کی روشنی میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کے بجائے آراء الرجال سے ہی غذا حاصل کرتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ امت مسلمہ کا تمام تر انحراف اور اس کے زوال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کے اردگرد تاویلات کا حصار کھڑا کررکھا ہے۔ہم کسی مسئلے پر قرآن مجید کو بولنے ہی نہیں دیتے۔اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ پر ہمارے مکتبۂ فکر کے فقہاء نے کیا لکھا ہے۔رہے وہ مسائل جن کا بیان ان کتب میں نہیں پایا جاتا تو ہم ہر نئی چیز کی اس وقت تک

مزاحمت کرتے ہیں جب تک وہ رائج ہو کر ہمیں خود اپنے حصار میں لے لے۔ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے لے کر مشینی ذبیحے تک ہمارے علماء نے پہلے تو ہر چیز کو حرام قرار دیا پھر رفتہ رفتہ وہی حرام اتنا پسندیدہ ہو گیا کہ اب مائک کے بغیر کوئی مولوی تقریر کرنا پسند نہیں کرتا۔ حق تو یہ ہے کہ حلال وحرام کا اختیار اللہ نے انسانوں کو دیا ہی نہیں ہے۔ تمام حلال اور تمام حرام قرآن میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ بات ذہن سے نکال پھینکنی ہوگی کہ اسلام کی تشریح وتعبیر کا حق کسی خاص طبقہ کو حاصل ہے۔ سچ پوچھئے تو اسلام خدا اور بندے کے درمیان براجمان ہونے والے اسی طبقۂ احبار کے انہدام کے لئے آیا ہے۔ دنیا میں تمام نبی یہی دعوت لے کر آئے کہ وہ بندوں کا راست تعلق اس کے رب سے قائم کریں۔ کسی چرچ یا مولویت کے کسی ادارے کو بیچ میں حائل ہونے کا موقع نہ ملے۔ خدا کی کتاب کو چھوڑ کر حرام وحلال کے فیصلے کے لئے علماء کرام کی طرف دیکھنا یا قدیم فقہاء کی کتابوں میں ان کے اقوال تلاش کرنا انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے جسے قرآن ﴿اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ﴾ سے تعبیر کرتا ہے۔

اہلِ فکر مسلمانوں کو یہ بات سمجھنی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی پر قرآن مجید نازل فرمایا تھا فقہاء اربعہ کے دواوین نہیں۔ قدیم فقہاء بھی ہم جیسے انسان تھے جن سے غلطیوں کا صدور عین ممکن ہے۔ ہم اس بات کے سزاوار نہیں کہ ان کی غلطیوں کو اپنے کمزور کاندھے پر اٹھائے پھریں۔ ہمارے لئے ہمارے اپنے التباسات فکری ہی کیا کم ہیں۔ پھر کسی مسئلہ پر صرف چار فقہاء کی کتابوں کو ہی کیوں دیکھا جاتا ہے۔ ابوحنیفہ سے ابن حنبل تک کم از کم انتالیس ایسے ائمہ کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے جو ہم پایہ علمی مرتبہ کے لوگ تھے اور جن میں سے بیشتر کی کتابیں زمانہ کی نذر ہو گئیں اور جن کے زیاں سے یقیناً اسلام کے فہم کو کوئی نقص نہیں پہونچا۔ پھر کیا ان چار ائمہ کے بغیر آج اس امت کا فہمِ قرآن ناقص رہ جائے گا؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اہل فکر مسلمانوں کو دینا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ ائمہ اربعہ کا نزول من جانب اللہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی قرآن ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم آخری رسول کے بعد کسی اور شخص کو اپنے لئے کلی طور پر لائق اتباع قرار دیدیں۔ جو لوگ مسلم پرسنل لا بورڈ یا دیوبند کے دارالافتاء سے اس بات کے شاکی ہیں کہ وہ عمرانہ قضیہ پر عقل وانصاف کی روشنی میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں اور جنہیں اس بات کی شکایت ہے کہ ہماری روایتی دینی درسگاہیں جو قرآن مجید کو سمجھنے سمجھانے کے لئے قائم ہوئی ہیں قرآن سے راست اکتساب کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتیں، انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ان حضرات کی جس طرح ذہنی تربیت ہوئی ہے اس میں قرآن مجید کا وہ مقام ہے ہی نہیں جس کی ہم ان سے توقع کئے بیٹھے ہیں۔ مدارس کے نصاب پر ایک نظر ڈالئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ وہاں قرآن کتنے گھنٹے پڑھایا جاتا ہے اور اس کا کتنا حصہ نصاب میں شامل ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے علوم بھی فہم قرآن میں معاونت کے لئے پڑھائے جاتے ہیں لیکن اگر یہ دعویٰ صحیح ہے اور قدیم سماجی عمرانی علوم اگر قرآن فہمی میں ہماری معاونت کر سکتے ہیں تو جدید عمرانی مطالعات کو اس نصاب سے خارج رکھنے پر قدیم علماء کا اصرار کیوں ہے؟

عمرانہ کو انصاف روایتی علماء کے فقہی قیل وقال کے ذریعہ مل سکے گا یا ملکی نظام کے اندر وہ انصاف کا کہیں زیادہ امکان پائے گی؟ اس سے کہیں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس مسئلہ نے مفتیان کرام کی اہلیت اور علماء کی قرآن فہمی پر جو سوالیہ نشان لگایا ہے یہ داغ کیسے دھل سکے گا۔ جو لوگ حنفی فقہ کے مطابق عمرانہ سے اس کے خسر کے جرم کی پاداش میں اس کا شوہر چھین لینا چاہتے ہیں اور جو فقہ کی اس تعبیر کو شریعت الٰہی بتا کر اسے مسلمانوں کے پرسنل لا کے حقوق سے جوڑتے ہیں وہ زانی خسر کو صرف اس وجہ سے ملکی نظام قضاء کے سپرد کرنے پر مطمئن ہیں کہ یہاں چونکہ اسلامی قانون نافذ نہیں اس لئے اس کے خسر کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کیسی عجیب تاویل ہے کہ ایک فریق کے اوپر شریعت نافذ کرنے پر تو آپ اتنا اصرار کریں کہ اسے دین وایمان کا مسئلہ بنا دیں اور دوسرے فریق کو صرف اس لئے شریعت سے رہائی مل جائے کہ یہاں اسلامی قانون نافذ نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جس طرح عمرانہ کا نکاح غیر قرآنی بنیادوں پر فسخ کرنے کی مہم چلائی جا رہی ہے اسی طرح محصن زانی کے لئے سنگساری کی سزا بھی قرآن پر ایک بہتان ہے کہ سورہ نور میں زانی کی اصل سزا دُرّے مارنا بتائی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ فقہا کی قیل وقال کو قرآن سے زیادہ اہمیت دیتے ہوں وہ اس مفروضہ پر اصرار کرنے سے باز نہیں آئیں گے کہ آیتِ رجم قرآن میں موجود تھی جو کھو گئی یا اٹھا لی گئی البتہ اس کا حکم باقی ہے۔ افسوس کہ ایسا کہنے والوں کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ کس شقیق القلبی کے ساتھ عصمتِ قرآن پر حملہ کر رہے ہیں۔

جب تک اہل فکر مسلمان اس بات کی کوئی منظّم کوشش نہیں کرتے کہ دین مبین کی تشریح وتعبیر کا حق کچے پکے مفتیوں اور نیم خواندہ مولویوں سے لے لیا جائے، کسی طبقۂ علماء پر انحصار کے بجائے مسلمان قرآن مجید پر انحصار کرے اور عام لوگوں کے دل ودماغ میں یہ بات ذہن نشیں ہو جائے کہ اسلام میں کسی طبقۂ علماء یا روحانی پیشوائی کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں ہے، اس وقت تک اغیار کے لئے ممکن رہے گا کہ وہ اسلام کی مضحکہ خیز تصویر پیش کرتے رہیں۔ ہندوستان کے پچیس کروڑ مسلمانوں کو اب یہ احساس ہو جانا چاہئے کہ دین کی حفاظت کے لئے خانقاہ ومدرسہ پر انحصار مناسب نہیں اب خود انہیں آگے بڑھ کر خدا کی کتاب کو تھام لینا ہوگا۔